بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچھلے تیس سال اپنے دوست کیساتھ

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس۔۱۷)

چنانچہ اس سے پہلے میں ایک عرصہ دراز تم میں گزار چکا ہوں کیا پھر تم عقل سے کام نہیں لیتے

۱۹۷۲ء میں جب ہم دونوں ہی تعلیم الاسلام کالج میں زیر تعلیم تھے میری غفار صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔اس سے پہلے سنا تو ہوا تھا کہ غفار صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول میں پڑھتے ہیں۔بہت شریف النفس محنتی اور لائق طالب علموں میں شمار ہوتے ہیں۔ان دنوں سکول میں یہ روایت تھی کہ دسویں جماعت کا امتحان دینے والے طالب علموں کی ایک گروپ فوٹو سکول کے ہیڈ ماسٹر اور دوسرے اساتذہ کیساتھ بنا کرتی تھی۔جس دن گروپ فوٹو کھینچنا تھی غفار صاحب مقررہ وقت پر نہ پہنچ سکے جسکی وجہ سے کلاس انچارج ماسٹر بشیر احمد صاحب پریشان تھے۔ہیڈ ماسٹر صاحب کا فرمانا تھا کہ تصویر بنا دی جائے لیکن ماسٹر بشیر احمد غفار کے بغیر تصویر بنانے پر راضی نہ تھے۔آخر کار ماسٹر بشیر احمد کو ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہنا پڑا کہ غفار کے بغیر ہم تصویر نہیں بنائیں گے اور جب تک غفار نہ پہنچا تصویر نہ بنائی گئی۔سکول کے زمانے میں ہم ایک ہی کلاس میں ہونے کے باوجود ایک دوسرے کیلئے اجنبی تھے کیونکہ ہم مختلف سیکشنز میں تھے۔کالج میں ہماری اس وقت ملاقات ہوئی جب خاکسار فرسٹ ایئر میں اردو ادب سوسائٹی میں انتخاب کیلئے کھڑا ہوا تھا۔غفار صاحب کو میں نے اپنے لئے بے حد co-operative پایا۔عجیب اتفاق ہوا کہ بہت تھوڑے وقت میں ہم آپس میں گھل مل گئے۔اسکے بعد کالج میں تو روزانہ ملاقات ہوتی تھی اور بعض اوقات وہ میرے ہاں گھر بھی آیا کرتے تھے۔یہاں یہ بات بتاتا چلوں کہ جب غفار نے کالج میں داخلہ لیا تو یہ اپنی والدہ کیساتھ اپنے والد صاحب کے بنائے ہوئے مکان واقع دارلصدر غربی میں رہائش رکھتے تھے۔میں اکثر عصر کے بعد انکے گھر چلا جایا کرتا تھا۔وہاں انکی والدہ ہوتی تھیں اور میرے جانے سے وہ بہت خوش ہوا کرتی تھیں۔خالہ جی مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں۔گھر میں تھوڑی دیر رکنے کے بعد ہم ریلوے لائن کی پٹڑی پر احمد نگر کی طرف لمبی سیر کو جایا کرتے تھے۔

غفار اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔یہ کل آٹھ بہن بھائی تھے۔ایک بھائی اور دو بہنیں نوعمری میں ہی فوت ہو گئے۔اس وقت دو بڑے بھائی اور دو بہنیں ہیں۔سبھی ربوہ میں مقیم ہیں اور کاشتکاری کرتے ہیں۔جب میرا اس خاندان سے تعلق بنا اس وقت ڈاور کے قریب یہ اپنی زمینوں پر ہی رہتے تھے۔آہستہ آہستہ میرا ان کی زمینوں (یعنی ڈیرہ) پر جانا ہو گیا۔سب افراد خانہ کیساتھ میرا ایسا ہی تعلق بن گیا کہ میں غفار ہی ہوں اور گھر کا ایک فرد ہوں اور سبھی بہت پیار کرتے تھے۔غفار کو میں نے شروع ہی سے انتہائی کم گو،شریف النفس اور محنتی پایا۔ایک خاص بات جس کو میں کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا وہ یہ کہ اس میں کوئی بھی کام کرنے کے بارے میں اعتماد ایک پہاڑ کی طرح ہوتا تھا جس نے مجھے غفار کے بہت قریب کر دیا۔خاکسار نے اسکے گھر کے ہر فرد کو انتہائی سادہ،شریف النفس اور ملنسار پایا۔اس خاندان کو ان خوبیوں کیساتھ بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔اس طرح کی مثالیں ہمارے معاشرے میں بہت کم ملتی ہیں۔آجکل کے طریق کار کے مطابق کچھ عرصہ قبل اس خاندان میں ایک شادی کی تقریب کی ویڈیو فلم بنائی گئی تھی۔یہاں کیل میں کچھ خواتین نے اس ویڈیو فلم کو دیکھا۔فلم دیکھنے کے بعد ایک معمر اور معزز خاتون بے اختیار کہہ اٹھیں کہ اس طرح کے سادہ لوگ میں نے آج تک نہیں دیکھے۔

خاکسار نے غفار کی والدہ سے کئی دفعہ سنا ہے کہ جب غفار پانچ یا چھ ماہ کا تھا تو اس کے والد چوہدری شیر محمد جنبہ مشیت ایزدی کے مطابق چند ماہ علیل رہ کر ۱۹ ستمبر ۱۹۵۴ء کو انتقال فرما گئے اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔ان للہ وان الیہ راجعون۔وفات سے پہلے چوہدری شیر محمد کی دونوں بہنیں اسے ملنے آئی ہوئی تھیں۔غفار چونکہ اس وقت بہت چھوٹا تھا۔اس کی پھوپھیوں نے اسے اٹھا کر اپنے بھائی سے کہا کہ آپ غفار کو کس کے حوالے کر کے جا رہے ہو؟ تو چوہدری صاحب نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر انہیں جواب دیا کہ میں اسے اللہ تعالی کے حوالے کر رہا ہوں اور اس طرح غفار نے ابتداء ہی سے اللہ تعالی کے زیر سایہ پرورش پائی۔ایک اور واقعہ میں نے خالہ جی سے سنا ہوا ہے وہ یہ کہ چونکہ چوہدری شیر محمد کا تعلق ایک زمیندار خاندان سے تھا۔آپکی زمین پر مزارعین کاشتکاری کرتے تھے۔چوہدری صاحب علی الصباح تہجد کی نماز زمین کیساتھ جو ویرانہ تھا وہاں جا کر ادا کیا کرتے تھے اور مزارعین جب رات کو زمین پر پانی لگاتے تھے تو وہ صبح کے وقت چوہدری صاحب کی رونے کی آوازیں سنا کرتے تھے۔پھر اپنی بیویوں کو بتاتے کہ ہم چوہدری صاحب کو رات کے

وقت ویران جگہ پر روتے ہوئے اکثر سنتے ہیں۔مزارعین کی بیویاں جب خالہ جی سے پوچھتیں کہ کیا آپ کے گھر میں کوئی ناچاقی تو نہیں جس کی بدولت چوہدری صاحب باہر جا کر روتے ہیں۔خالہ جان کہتی ہیں کہ میں انکو سمجھایا کرتی کہ ہمارے درمیان کوئی ناچاقی نہیں اور ہم بہت خوش ہیں۔میرا خاوند تو باہر جا کر تنہائی میں اللہ تعالی کی عبادت کرتے ہیں۔اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے اور اس سے دعائیں کرتے ہیں۔

۱۹۷۲ء کا میں نے ذکر کیا ہے۔عمومی طور پر سبھی لڑکے جب آپس میں باتیں کرتے ہیں تو اس عمر میں شرارتیں اور مستقبل کے بارے میں بہت بڑے پروگرام بناتے ہیں۔ہم بھی مستقبل کی باتیں کیا کرتے تھے لیکن ہماری زندگی میں عمومی شرارتیں نہیں تھیں۔مستقبل کے بارے میں منصوبہ بندی ہم بھی کیا کرتے تھے اور کچھ نہ ہونے کے باوجود ہمارے ارادے بھی بہت بلند تھے۔خاص طور پر اس بات کا ذکر کرنا چاہوں گا کہ مذہب کے بارے میں ہم نے کبھی بات نہیں کی تھی کیونکہ ہم دونوں ہی بنیادی طور پر کٹر مذہبی نہیں تھے۔مجھ پر تھوڑا سا ربوہ کے ماحول کا اثر تھا اور نماز وغیرہ باقاعدگی کیساتھ پڑھتا تھا لیکن غفار نمازوں میں بھی سست تھا۔دوران کالج بعض مالی مشکلات کی وجہ سے غفار کو کالج چھوڑنا پڑا۔ ربوہ چھوڑ کر اس نے اپنے بھائیوں کیساتھ ہی ڈاور میں رہائش اختیار کر لی اور اپنی زمین پر کاشتکاری شروع کر دی۔میں بھی بعض اوقات اسکے پاس جایا کرتا تھا لیکن یہ بھی جب ربوہ آتے تو مجھے ضرور ملتے۔

غفار کا تعلق زمینداروں کے ایک متوسط خاندان سے ہے اور متوسط طبقے کے زمینداروں کی زندگی عموماً غربت میں گزرتی ہے لہذا اس کا بچپن اور نوجوانی بھی غربت میں گزری۔ مگر اس کے دل میں شروع ہی سے علم حاصل کرنے کا شوق بہت زیادہ تھا۔یہ شوق یا تو فطرتی طور پر اس میں تھا یا اسکے بہن بھائیوں نے اسکے دل میں بھر دیا تھا۔بہرحال ہر قسم کے حالات میں اس کے دل سے علم کی یہ لگن ختم ہونے کی بجائے بڑھتی رہی۔کاشتکاری کے دوران اس نے پرائیویٹ طور پر ایف اے اور بی اے کے امتحانات بہت اچھے نمبروں میں پاس کیے۔ان دنوں ربوہ میں اس طرح کا ماحول بنا ہوا تھا کہ نوجوان نسل بیرون ملک اڑنے کی خواہش مند تھی۔ہمارے اندر بھی خواہش پیدا ہوئی اسی طرح کے پروگرام بننے کے دوران غفار ۱۹۷۸ء کے آخر میں کراچی چلا گیا۔میرے گھر والے اس طرح کا پروگرام بنانے پر راضی نہیں تھے لیکن میرے بضد ہونے پر مجھے بھی اجازت کیساتھ کچھ پیسے مل گئے اور میں بھی کراچی چلا گیا۔ایک بات جس کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔وہ یہ کہ عجیب اتفاق تھا کہ غفار سے دوستی ہونے کے بعد مجھ پر اس شخصیت کا ایسا اثر تھا کہ میں ہر قیمت پر اسکے ساتھ رہنا چاہتا تھا حالانکہ بظاہر اس میں کوئی قابل کشش بات نہ تھی۔جب بھی ایسے حالات پیدا ہوئے کہ جنکی وجہ سے مجھے اس سے الگ ہونا پڑا تو میرے اندر سخت ہیجان پیدا ہو جاتا اور یہ بات میرے لیے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہ ہوتی۔۱۹۷۹ء کے آخر پر میں بھی غفار کے پاس کراچی چلا گیا۔کراچی جا کر باہر کے ملک جانے کے لیے ایجنٹوں سے بات کی تو مطلوبہ رقم ہمارے پاس نہیں تھی۔رقم کو پورا کرنے کے لیے غفار نے اپنے حصے کی زمین رہن رکھ دی جس سے ہمارا پیسوں کا مسلہ حل ہو گیا۔بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔چونکہ اعلی تعلیم کا حصول غفار کا اولین مقصد تھا لہذا باہمی مشورہ سے غفار نے ایم اے کرنے کیلئے پنجاب یورسٹی میں داخلہ لے لیا۔میں نے اپنا کوئی کام کرنے کی کوشش کی لیکن کوشش کے باوجود کامیابی نہ ہوئی۔

وسط ۱۹۸۳ء کے لگ بھگ میں نے کراچی چھوڑ دیا اور ربوہ چلا آیا۔جیسا کہ غفار نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ وسط دسمبر ۱۹۸۳ء جمعہ کے روز اسکے ساتھ ایک غیر معمولی روحانی واقعہ پیش آیا۔جس کی تفصیل اس کی کتاب میں موجود ہے۔اس نے بذریعہ خط مجھے بھی اس واقع کی اطلاع دی۔بعد میں جب ربوہ میں ہماری ملاقات ہوئی تو تفصیل کے ساتھ بات ہوئی۔میں غفار کی طبیعت اور سوچ کے انداز سے واقف تھا لہذا یہ تو دل نے فوراً مان لیا کہ یہ باتیں اس کی اپنی بنائی ہوئی نہیں اور اس میں ضرور کوئی سچائی ہے۔میں نے بھی ان حالات کے بارے میں غور وفکر شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ میری طبیعت شرح صدر کی طرف مائل ہوتی گئی اور یقین ہوتا چلا گیا کہ غفار سچ کہتا ہے۔

یہ سب کچھ ماننے کی ایک بڑی وجہ بھی تھی کہ یہ شریف النفس تھا اور طبیعت میں کم گوئی تھی۔اس طرح کی کیفیت جس میں کوئی مذہبی رجحان پایا جاتا ہو میں نے غفار میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔یہ بھی سوچا جا سکتا تھا کہ اس کو سمجھنے میں غلطی لگ رہی ہے۔یہ کوئی الہام یا وحی کا معاملہ نہیں بلکہ اسکے نفس کی باتیں ہیں۔وہ اس لئے میں نہیں کہتا کیونکہ خدا تعالی کا اس کے ساتھ ہمکلام ہونے کا معاملہ مسلسل جاری تھا۔میں نے اس کو اکثر ڈرا ہوا اور بہت روتا ہوا پایا۔اکثر کہتا تھا کہ منیر یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔میں اپنے آپ کو اس کا متحمل نہیں پاتا۔میرا وجود لرزتا ہے میں کیا کروں۔میں اسکو تسلی دیا کرتا تھا۔میں نے رسول کریم ﷺ کا واقعہ سنا ہوا تھا کہ جب پہلی وحی جبرائیلؑ لیکر آیا تو وحی کے بعد آپ ﷺ کی کیا کیفیت تھی۔جب میں غفار کی حالت دیکھا کرتا تھا تو مجھے اس کی حالت سے وہ خوشبو آتی تھی جو رسول کریم ﷺ کے واقعہ کو یاد کرنے سے ملتی ہے۔اور مجھے یقین ہو گیا کہ غفار اپنے معاملہ میں حق اور سچ پر ہے۔

۲۷۔اکتوبر ۱۹۸۵ء کو غفار کی شادی ہوئی۔اس موقع پر بھی خاکسار کو دونوں اطراف سے انتظامات میں مرکزی ذمہ داری ادا کرنے کی توفیق ملی۔میرے جرمنی آنے سے قبل ''نیکی خدا ہے'' کا مسودہ تیار ہو چکا تھا۔ربوہ میں ہمارے ایک دوست جو انگلش زبان میں مہارت رکھتے تھے اور ذہین بھی تھے۔جماعت کے مذہبی ماحول میں جانے پہچانے جاتے

تھے۔ جب وہ یہ مسودہ پڑھتے پڑھتے مظہر کی حالتوں پر پہنچے تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ متذکرہ بالا روحانی واقعہ کے بعد غفار کی حالت بالکل بدل گئی۔ اب یہ غفار پہلے والا غفار نہیں تھا۔ نہ اس میں باہر کے ملک میں جانے کا شوق رہا اور نہ ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کا جام لبالب بھر گیا ہے اور اسکو دنیا جہان کے خزانے مل گئے ہیں۔ اب غفار کی خواہش تھی کہ وہ ملک سے باہر نہ جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہوتے گئے کہ غفار کو مجبوراً ملک چھوڑنا پڑا۔ مارچ ۱۹۸۶ء میں میرے جرمنی پہنچنے کے بعد غفار کی بھی ہجرت کی تیاریاں ہونے لگیں۔ طے یہ پایا کہ ذیشان کی پیدائش کے فوراً بعد ہم پروگرام کو فائنل کریں گے۔ جرمنی میں میری رہائش فرینکفرٹ کے قریب کرائس گروس گیراؤ میں تھی۔ میں نے غفار کو ہر ممکن سمجھانے کی کوشش کی کہ برلن پہنچنے کے بعد فرینکفرٹ جانے والی ٹرین پر بیٹھنا ہے۔ لیکن غفار ایک دوسرے دوست کیساتھ ہمبرگ جانے والی ٹرین پر سوار ہوگیا۔ پھر ہمبرگ سے (Itzehoe) ہوتے ہوئے اسے انتظامیہ نے کیل بھجوادیا۔ ہماری پوری خواہش اور کوشش تھی کہ ہم ایک جگہ پر ہی رہیں لیکن قدرت کو ایسا منظور نہیں تھا۔ اور اس وجہ سے ہم پریشان تو ہوئے لیکن کچھ کر نہ سکے۔ ۱۹۸۷ء میں میرا سیاسی پناہ کا کیس منظور ہوگیا۔ اب میں ایک جگہ سے دوسری جگہ قانوناً منتقل ہوسکتا تھا۔ اب پھر خواہش چمکی کہ ہم ایک جگہ اکٹھے ہوجائیں۔ میں نے کیل ہجرت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ راستہ کھلا ہونے کے باوجود ایسا نہ ہوسکا۔ غفار نے میرے ساتھ ناراضگی کا اظہار بھی کیا لیکن میں نے کہا کہ یہ میرے لیے ممکن نہیں۔ وقت گزرتا چلا گیا درمیان میں بھی ایک جگہ پر اکٹھے ہونے کی کوشش ہوئی لیکن بے سود۔ گاہے بگاہے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ دس سال یعنی ۸۷ء سے ۹۷ء تک خاکسار نے فرینکفرٹ اور کیل کے درمیان بہت سفر کیا۔ جب بھی میں سفر کرتا تو ایک بات میرے پیش نظر ضرور ہوا کرتی اور میں اپنے خدا سے یہ دعا ضرور کیا کرتا تھا۔ کہ اے اللہ یہ صرف تو جانتا ہے کہ یہ سفر میں کیوں کرتا ہوں؟ مجھے تیری رضا سب سے زیادہ پیاری ہے۔ مجھے اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا کرنا۔ میرے کاموں میں اگر تیری رضا شامل حال نہیں تو یہ میری پرانی سی گاڑی کیل نہیں پہنچنی چاہیے اور اگر میں تیری مرضی کے مطابق سفر کر رہا ہوں اور تیرے بندے کے پاس جا رہا ہوں تو پھر یہ گاڑی راستے میں ٹھہرنی نہیں چاہیے۔ ایسے واقعات بھی میرے ساتھ ہوئے ہیں کہ میری پرانی گاڑی کو دیکھ کر میرے قریبی رشتہ دار ہنسا کرتے تھے کہ منیر اس گاڑی پہ کیل جاتا ہے۔ کیل جاتے ہوئے میری یہ پرانی گاڑی راستے میں کبھی خراب نہیں ہوئی۔

ہم نے اپنی زندگی میں ربوہ رہتے ہوئے دیکھا کہ جب بھی کسی نے نظام جماعت کے مزاج کے خلاف کوئی بات کی تو اسے شریر قرار دے دیا گیا۔ اور ہر ممکن طریق سے اسے ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ غفار کے اندر بھی یہ خوف تھا کہ گو میں حق پر ہوں لیکن جب یہ معاملہ خلیفہ وقت کے سامنے جائے گا تو مجھے تکلیف اور دکھ دیا جائے گا کیونکہ یہ فضل جو میرے شامل حال ہوا ہے نظام جماعت کے عقائد کو رد کرتا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں جب پہلی بار اس معاملے کو چوتھے خلیفہؒ کے سامنے رکھا گیا تو اس وقت میں بھی کیل میں تھا۔ جب حکم ملا کہ غفار کو مہدی آباد پیش ہونا ہے تو خاکسار بھی غفار کیساتھ تھا۔ اس وقت انعام کی رقم تین لاکھ روپے تھی جو ہمارے پاس نہیں تھی اور ہم چاہتے تھے کہ یہ رقم ہمارے پاس ہونی چاہیے۔ اگر ہماری غلطی ثابت ہوجائے تو ہم بلاحیل وحجت اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اس انعامی رقم کو نظام جماعت کے حوالے کر دیں۔ پھر دعا کی طرف توجہ مبذول ہوئی کہ اے اللہ اب یہ رقم کا انتظام ہمیں کر کے دے اور واقعتاً رقم کا انتظام ہوا اور جب ہم مہدی آباد گئے تو وہ رقم ہمارے گھر میں موجود تھی۔ اور آج بھی میں لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کوئی شخص یا نظام جماعت غفار کے دونوں سوالات کو قرآن کریم کی روشنی میں جھٹلا دے تو غفار متعلقہ شخص کو موعود رقم دیکر اپنے دعوی سے دستبردار ہوجائے گا۔ آزمائش شرط ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ہے؟ اور اگر نہیں تو غفار کا مقابلہ جھوٹے ہتھکنڈوں سے کرنے کی بجائے سچائی کو قبول کرلو۔ خدا تعالیٰ سے ڈرو جسکے حضور ہم سب نے حاضر ہونا ہے۔ وہاں نہ کوئی محمودی نظام ہوگا اور نہ امور عامہ۔

کچھ عرصہ کے بعد جب یہ حالات بدل گئے اور رقم بھی جہاں سے لی تھی واپس کر دی گئی۔ تو میرے اندر خواہش پیدا ہوئی کہ ایک دفعہ پھر آزماؤں کہ یہ رقم جس آدمی سے ملی تھی اس نے میرے ذاتی تعلقات کو سامنے رکھ کر یہ رقم دی تھی یا قدرت نے اس سے اس کا انتظام کروایا تھا۔ اس شخص کیساتھ جب سے میں جرمنی آیا ہوں میرا دوستی کا بہت گہرا تعلق تھا اور اب بھی ہے۔ لیکن جب دوسری دفعہ میں نے رقم دینے کو کہا تو اس نے اس طریق پر انکار میں جواب دیا کہ جیسے میرا اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ میرے منہ سے بے اختیار یہ آواز نکلی مولا واہ تیریاں توں ہی جانے۔ اس واقعہ نے میرے دل پر بہت گہرا اثر کیا اور میرے یقین کو اور طاقت ملی کہ تو واقعتاً ان راہوں کا راہی ہے جو تیرے رب کو پسند ہیں۔

۱۹۹۷ء میں جب دوسری دفعہ خلیفہ رابعؒ کے سامنے مقدمہ رکھا گیا تو اس دفعہ ان کا رویہ بہت مختلف اور نرم تھا۔ میں خلیفہ رابعؒ کو ایک مرد خدا سمجھتا تھا۔ میرے اندر یہ چیز موجود تھی کہ یہ سچا بندہ ہے اور سچی راہوں پر چلنے والا ہے اور سچائی کو ضرور قبول کرے گا۔ لیکن اس سچائی کی قیمت اتنی بھاری تھی کہ وہ خاموشی کیساتھ سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

میں ایک عرصہ سے جرمنی میں رہ رہا تھا۔ یہاں کی شہریت بھی مجھے مل گئی تھی۔ لیکن میرے دل اور دماغ نے کبھی بھی اس ماحول کو تسلیم نہیں کیا کہ میں اس میں فٹ ہوں اس لیے ہمیشہ اس خیال میں رہا کہ اگر ہوسکے تو پاکستان واپس چلا جاؤں اور اپنی زندگی وہاں گزاروں میرے والد ڈاکٹر شریف احمد کا اپنا گھر اور بہت پرانا ڈینٹل کلینک ربوہ میں ہے اور کبھی بھی کوئی مالی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ لیکن عجیب اتفاق ہوا کہ بشمول والد صاحب میرے خاندان کے سبھی افراد ربوہ چھوڑ کر یورپ آ کر آباد ہوگئے تھے۔ اور اب وہاں کے

حالات کے مطابق میں اپنے آپکو وہاں سیٹ کرسکتا تھا۔اس لیے والدصاحب اور سب بہن بھائیوں سے مشورہ کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں ربوہ واپس چلا جاؤں۔اس طرح میں نے جون ۱۹۹۹ء میں جرمنی چھوڑ دیا اور ربوہ جا کر آباد ہو گیا۔اپنے گھر اور کلینک کو نئے سرے سے سیٹ کیا۔میں وہاں پر نہ صرف مطمئن بلکہ بہت خوش تھا۔جون ۹۹ء سے لیکر مارچ ۲۰۰۲ء تک میں وہاں پہ رہا۔اس عرصہ میں دو دفعہ میرے والدصاحب اور دوسرے عزیز واقارب بھی میرے پاس ربوہ آئے۔نئے سرے سے سب کچھ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔سب نے دلی مسرت کا اظہار کیا کہ تم نے واپس آ کر بہت اچھا کام کیا۔ہم سب کو دوبارہ ہمارا گھر مل گیا۔

۴ مارچ ۲۰۰۲ء کو میں پاکستان سے جرمنی بطور مہمان اپنے بھائی کے پاس آیا کہ تھوڑا سا وقت گزار کر میں اپنے گھر واپس چلا جاؤں گا۔لیکن کیا ہوا کہ سرزمین جرمنی پر قدم رکھنے کی دیر تھی کہ موسم خوشگوار ہونے کے باوجود میرے خلاف تیز ہوا چلنی شروع ہوگئی اور یہ ہوا اتنی تیز چلی کہ میرے قدم زمین پر نہ ٹھہر سکے اور وہ ہوا مجھے آڑا کر اپنے دوست کے پاس جسے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا کیل لے آئی۔میرا کیل میں پہنچنا تھا کہ ہوا تھم گئی اور واپسی کے دروازے کھل گئے لیکن یہ ہوا مجھے ایسے وقت کیل لے کر آئی جسکے بارے میں میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں یہاں آؤں گا۔اس کا میرے پروگرام کیساتھ دور دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔وقت نے میرے دل و دماغ کے پردوں کو چاک کیا اور بتایا کہ یہ ہوا کیوں چلی اور تیرا کیل آنے کا مقصد کیا ہے؟ وقت نے مجھے بہت مضبوط کر دیا۔اب باد مخالف نے بہت کوشش کی کہ اسکو اپنے پاؤں سے اکھیڑا جائے۔لیکن یہ ہوا نہیں تھی بلکہ طوفان بن چکا تھا۔لیکن یہ واپس لیکر جانے والا طوفان میرا کچھ بگاڑ نہ سکا۔اب کوئی طوفان میرے پاؤں کو جنبش نہیں دے سکتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ مجھے تقدیر کیل لے کر آئی ہے۔یہ فیصلہ میرے خدا کا ہے جس نے مجھے غلام مسیح الزماں کیساتھ دوبارہ لا کھڑا کیا۔میرے دل اور دماغ کو ایسا کر دیا گیا ہے کہ میں اسکے وجود کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔میں حق الیقین رکھتا ہوں کہ مجھے میرے خدا نے روحانیت کی وہ آخری جنگ لڑنے کیلئے غلام مسیح الزماں کیساتھ کھڑا کیا ہے جس کے بارے میں اس نے خود فرمایا ہے۔

☆اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا اور بعد اسکے توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جنکے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔اس دن نہ کوئی مصنوئی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوئی خدا۔اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔☆ (مجموعہ اشتہارات جلد۲ صفحہ ۳۰۴ تا ۳۰۵)

واخردعوان ان الحمد لله رب العالمين

والسلام

چوہدری منیر احمد۔کیل/جرمنی (۱۰۔مارچ ۲۰۰۴ء)